اُردو مرثیہ۔ چند مباحث

ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Marseya is one of the most important gener of urdu poetry. It is not only a difficult farm of poetry but it has also religious importance specially with reference to "Karbala Mualla". In this article some basic debates about Marseya have been discussed.

مرثیے کے آغاز کا تعین کرنے میں محققین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس بات کا اندازہ تو لگایا جا سکتا تھا کہ اردو ادب میں اردو مرثیے کا ارتقا اردو زبان کی ابتدا کی ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ مگر پہلا با قاعدہ مرثیہ نگار کون تھا؟ اس بارے میں بحث رفتہ رفتہ اپنے منطقی انجام تک پہنچی۔ اس سلسلے کی ابتدائی تحقیق مفروضوں پر مبنی نظر آتی ہے مثلاً مولانا شبلی نعمانی نے ''موازنہ انیس و دبیر'' میں مرثیہ نگاری کی ابتدا کے متعلق لکھا کہ:

''یہ معلوم نہیں کہ مرثیے کی ابتدا کس نے کی، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیے کا رواج ہو چکا تھا۔''[۱]

مولانا حامد حسن قادری کا بیان ہے:

''محمد قلی قطب شاہ غالباً سب سے پہلا مرثیہ گو بھی ہے۔''[۲]

مگر اسی دور میں ہاشم اور نوری کے علاوہ کئی اور معروف مرثیہ گو شاعر بھی موجود تھے۔ پہلے مرثیہ نگار کی تلاش اور تحقیق میں جو مشکلات پیش آ رہی تھیں ان کی وجہ یہ تھی کہ قدیم شعرا کا سن ولادت معلوم نہ تھا اور دوسرے ان شعرا کے مرثیوں کے قدیم نسخوں کے سن تصنیف بھی معلوم نہیں ہو سکے تھے۔ اس بنا پر محققین نے ایک ہی عہد کے دو شعرا کو ایک ساتھ پہلا مرثیہ نگار تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ اس دور میں مرثیے کی ہیت بھی مقرر نہ تھی۔ کسی نے غزل اور قصیدہ کی فارم میں ملنے والے مرثیوں کو قدیم ترین نمونہ تصور کیا گیا اور کسی محقق نے مثنوی کی فارم میں لکھے جانے والے مرثیے کو مرثیے کا اولین نمونہ سمجھا۔ اس طرح مختلف طرح کے نظریات سامنے آئے۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔ مثلاً گارساں دتاسی اور مولانا عبدالسلام ندوی نے ''نوری'' کو اردو کا

پہلا مرثیہ نگار قرار دیا۔ رشید موسوی نے لکھا کہ:

''گارساں دتاسی نوری کو اردو کا پہلا مرثیہ نگار لکھتا ہے۔''۳

مولانا عبدالسلام ندوی نے لکھا کہ:

''اگرچہ یہ متعین نہیں کہ سب سے پہلے مرثیہ گوئی کی ابتدا کس نے کی، تاہم یہ یقینی ہے کہ عالمگیر کے زمانے سے بہت پہلے عہد جہانگیری میں اول اول شجاع الدین نوری نے مرثیہ گوئی میں نام پیدا کیا۔''۴

ڈاکٹر مسیح الزماں اور ڈاکٹر جعفر رضا نے وجہی کو پہلا مرثیہ نگار قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے ''اردو مرثیہ کا ارتقا'' لکھ کر مرثیے پر تفصیلی اور گراں قدر معلومات کا اضافہ کیا۔ ڈاکٹر مسیح الزماں کی تحقیق کے مطابق پہلا مرثیہ گو شاعر وجہی اور قطب شاہ ہیں:

''وجہی اور قطب شاہ دونوں معاصرین ہیں۔ انھیں کے مرثیے قدیم ترین موجود مرثیے ہیں۔''۵

ڈاکٹر جعفر رضا، ڈاکٹر مسیح الزماں سے متفق ہیں ان کے مطابق محمد قلی قطب شاہ اور وجہی دونوں کو معاصر شعرا ہیں اس لیے یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں میں سے پہلے مرثیہ گو شاعر کس کو کہا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو کے اولین مرثیہ گو کی حیثیت سے محمد قلی قطب شاہ اور وجہی کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں معاصر ہیں اور ان دونوں کے مرثیے بھی ملتے ہیں لیکن ان میں کسی ایک کو دوسرے پر اولیت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ ان کے مرثیوں کی تصنیف کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔''۶

نصیر الدین ہاشمی اور سیدہ جعفر نے ''اشرف'' کی نوسر ہار کو پہلا مرثیہ قرار دیا ہے۔ مسیح الزماں لکھتے ہیں کہ:

''نصیر الدین ہاشمی نے مثنوی نوسر ہار کے شاعر اشرف کو پہلا مرثیہ گو قرار دیا، جس نے اسے ۹۰۹ ہجری میں تصنیف کیا۔''۷

سیدہ جعفر، نصیر الدین ہاشمی کی ہم خیال ہو کر اردو مرثیے کی اولیت کا سہرا ''اشرف'' کے سر باندھتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

''دکن کا پہلا مربوط عزائیہ شعری کارنامہ اشرف بیابانی کی ''نوسر ہار'' ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء ہے۔ جس میں نو مختلف ابواب میں واقعات کربلا نظم کیے گئے ہیں۔''۸

ڈاکٹر مسیح الزماں نے نصیر الدین ہاشمی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثنوی ''نوسر ہار'' کو مرثیہ نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اشرف کا مرثیہ مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی بات کی تائید کے لیے ڈاکٹر رشید موسوی کا ایک اقتباس فٹ نوٹ میں تحریر کیا ہے۔ انھوں نے یہ

اقتباس مجلہ عثمانیہ کے دکنی ادب نمبر ۱۹۶۵ء کو مضمون بعنوان ''دکن میں مراسم عزاداری اور مرثیہ نگاری'' سے نقل کیا ہے۔اقتباس سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ ''نوسرہار'' ایک شہادت نامہ ہے اور پھر اسے وہ مرثیہ بھی بتاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ اردو مرثیہ نگاری کی ابتدا کا شرف شیخ اشرف کو بخشنا چاہتے ہیں............ جہاں تک ہم جانتے ہیں مرثیہ اور شہادت نامہ دو الگ الگ اصناف ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں میں موضوع کے پہلو کچھ متحد ہو جاتے ہیں۔ شہادت نامے ایک وسیع تجویز کے تحت مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مثنوی ان کے لیے مخصوص ہو گی ہے۔ اس کے مقابلے میں خاص طور پر ابتدائی دور کے مرثیے مختصر اور قصیدے کے روپ میں لکھے جاتے تھے............ دکن میں مرثیے کے اوّلین نمونے ہم کو وجہی اور محمد قلی قطب شاہ کے یہاں ملتے ہیں............ دونوں معاصر تھے اور دونوں نے مرثیے بھی لکھے تھے۔ ان دونوں میں سے مرثیہ پہلے کس نے لکھا اس کے طے کرنے کے لیے ہمارے یہاں کوئی تاریخی بنیاد ایسی نہیں کہ جس کے بنا پر ہم کسی ایک کو اولیت کا شرف بخش سکیں۔''۹

ڈاکٹر رشید موسوی نے ''نوسرہار'' کو مثنوی کے ہیت میں لکھے جانے کی وجہ سے مرثیوں میں شمار نہیں کیا البتہ مثنوی کی ہیت میں لکھے جانے والے مرثیوں میں ''نوسرہار'' کو فضیلت حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اردو مرثیے کے اولین نمونے ہم کو دکن میں ملتے ہیں یہ عموماً قصیدہ کے روپ میں ہیں لیکن مختصر ہیں۔بعض وقت تو صرف پانچ یا سات اشعار پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں بجا طور پر قصیدے کی ذیل میں شامل کرنا مشکل ہے۔محمد قلی، وجہی اور اس عہد کے دوسرے شعرا کے ہاں ہم کو اس طرح کے اولین مرثیے دستیاب ہوتے ہیں۔ ان مستقل اور مخصوص مرثیوں کے علاوہ اردو میں طویل مثنویاں بھی ایسی ملتی ہیں جو کربلا کے سانحہ پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلے اشرف کی تصنیف ''نوسرہار'' اہمیت رکھتی ہے جو ۹۰۹ ہجری کی تصنیف ہے۔''۱۰

''نوسرہار'' کو مثنوی کی ہیت میں ہونے کے سبب اس بحث سے خارج کر دینا درست نہیں کیونکہ اگر وجہی، جانم یا قلی قطب شاہ کے ہاں بھی مرثیے مسدس کی ہیت میں نہیں ہیں تو پھر اشرف کو مثنوی کی ہیت کی بنا پر رد نہیں کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ابتدائی مرثیوں کے نمونوں میں مرثیے کے اصول وضوابط طے نہیں تھے اس لیے قدیم ترین نمونے کو اولین مرثیہ نہ سہی کم از کم مرثیے کا اولین نمونہ تو کہا جا سکتا ہے۔ عظیم امروہوی نے اپنی کتاب میں دو اقتباسات نقل کیے ہیں، جنھیں بطور حوالہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

''اظہر علی فاروقی لکھتے ہیں کہ شروع شروع میں مرثیہ غزل اور مثنوی کی ہیت میں نظم ہوتا تھا............سفارش حسین رضوی لکھتے ہیں کہ میر اور سودا کے زمانے تک نظم کی ہر شکل میں مرثیہ

کہا گیا۔''[۱۱]

لہٰذا قدامت کی بنیاد پر اشرف کی مثنوی کو مرثیہ کی ابتدا کی پہلی کڑیوں میں شمار کیا جانا چاہیے۔ قلی قطب شاہ، وجہی، نوری اور اشرف کے بعد اس بحث کا ایک آخری نام برہان الدین جانمؔ بھی ہے۔ رشید موسوی اور ڈاکٹر فضل، امام برہان الدین جانم کو اردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر تصور کرتے ہیں۔ سیدہ جعفر نے برہان الدین جانم کے بارے میں اپنے ایک مضمون ''دکنی مرثیہ او راس کا پس منظر'' میں لکھا کہ:

''بیجا پوری ادب میں ہمیں سب سے پہلے برہان الدین جانم کے مرثیے دستیاب ہوتے ہیں انھوں نے اپنے والد ماجد میراں جی شمس العشاق کی وفات پر ایک مرثیہ کہا تھا۔ جانم کے اس مرثیے کا موضوع واقعات کربلا سے متعلق نہیں۔ ایک بیٹے نے اپنے والد کی جدائی پر اپنے احساسات غم نظم کیے ہیں۔ بیجا پور کا یہ پہلا دستیاب شدہ مرثیہ غیر مذہبی نوعیت کا ہے۔''[۱۲]

سید عاشور کاظمی نے اپنی کتاب ''اردو مرثیہ کا سفر'' میں ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کا ایک اقتباس، ادبی مطالعہ مطبوعہ ۱۹۸۷ء کے حوالے سے ساتھ درج کیا جسے پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جانم نے امام مظلومؑ کا مرثیہ بھی لکھا۔ اقتباس سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''دکن میں عزاداری اور مرثیہ نگاری کو فروغ دینے میں اہل سنت الجماعت صوفیا کا حصہ بھی رہا ہے............ میرا جی شمس العشاق کے چشم و چراغ سید شاہ برہان الدین جانم بیجا پوری نے اردو کا پہلا مکمل مرثیہ لکھا۔''[۱۳]

اس اقتباس کے بعد مصنف، عاشور کاظمی لکھتے ہیں کہ:

''جانم پہلے مرثیہ گو تھے کہ نہیں مگر یہ تو ثابت ہے کہ جانم اور سلطان قلی قطب شاہ کے مرثیے ایک ہی عہد میں لکھے گئے۔''[۱۴]

رشید موسوی کے مطابق جانمؔ پہلے مرثیہ نگار شاعر ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہمیں شاہ برہان الدین جانم کا بھی مرثیہ دستیاب ہوا ہے۔ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وجہی اور محمد قلی سے قبل بھی مرثیہ لکھا جا چکا ہے۔''[۱۵]

ان کے مطابق برہان الدین جانم کا دستیاب یہ مرثیہ غزل کی فارم میں ہے جو مرثیہ کی ابتدائی فارم سمجھی جاتی ہے۔ فضل امام لکھتے ہیں کہ:

''دکن میں اردو مرثیے کے اولین نمونے صرف وجہی اور محمد قلی قطب شاہ کے دور سے ہی متعلق نہیں بلکہ جدید تحقیق نے شیخ برہان الدین جانم کا بھی مرثیہ تلاش کر لیا ہے۔ اس لیے اردو مرثیہ کا آغاز اس کے قبل یعنی سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں تسلیم کیا جائے گا۔''[۱۶]

نوری، وجہی، قلی قطب شاہ، اشرف اور جانم کے نام دکن کے اولین نگاروں میں شمار کیے جاتے

ہیں۔ جن میں جانم کو فضیلت حاصل ہوئی ۔ بہت ممکن ہے آنے والے زمانوں میں کچھ نئے حقائق سامنے آ جائیں ۔ ان شعرا نے مرثیے نگاری کے جس باب کا آغاز کیا اس میں دکن اور دہلی کے شعرا نے توفیق بھر اضافے کیے۔ لیکن مرثیے کو اصل شناخت اور ادبی حیثیت لکھنو میں آ کر حاصل ہوئی ۔ کیونکہ اس دور میں مرثیہ نگاری کے متعلق کئی اہم باتوں کا حتمی تعین ہو گیا ۔ اسی لیے اس دور کو مرثیے کا تشکیلی دور کہا گیا۔ اس تشکیلی دور میں مرثیے کے حوالے سے ہونے والی نمایاں خصوصیات کا ذکر ذیل میں درج ہے۔

مرثیے کا تشکیلی دور

پہلا مسدس نگار مرثیہ گو:

میر ضمیر کے عہد میں مرثیے کے داخلی اور خارجی اصول وضوابط طے پا گئے ۔ ان اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو مرثیے کے لیے ’’مسدس‘‘ کی ہیت کو لازمی قرار دیا گیا۔ مرثیہ شناسوں نے میر ضمیر کے عہد سے پہلے کے مرثیہ نگاروں کے کلام کا جائزہ لیا اور مرثیے کے قدیم نمونوں میں ایسے مرثیے تلاش کرنے کوشش کی جو میر ضمیر کے عہد میں طے پا جانے والی شرائط کا قدیم عملی نمونہ کہلا سکیں ۔ قدیم مسدس مرثیوں کی تلاش کی گئی تو محققین نے ایک سے زیادہ مرثیہ نگاروں کو پہلا ’’مسدس مرثیہ‘‘ لکھنے والا قرار دے دیا۔ ان ناموں میں سودا ، سکندر ، حیدر شاہ اور میر مہدی متین برہانپوری کا ذکر آتا ہے۔ مسدس کی ہیت میں پہلا مرثیہ لکھنے والوں میں سکندر کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس بارے میں چند محققین کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ شجاعت علی سندیلوی لکھتے ہیں کہ:

> ’’سودا کے ہم عصر میاں سکندر پنجاب کے رہنے والے تھے اور لکھنو میں آ کر سکونت اختیار کر لی تھی ۔ انہوں نے ایک نہایت درد ناک مرثیہ مسدس میں لکھا جو آج تک مقبول ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اردو زبان میں یہ پہلا مسدس ہے لیکن بعض حضرات حیدر شاہ نامی ایک شاعر کو پہلا مسدس لکھنے کا بانی سمجھتے ہیں ، جنھوں نے احمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں وفات پائی ....لیکن قبولیت کا عام شرف میاں سکندر کے مرثیہ کو حاصل ہوا............انھوں نے مرثیہ کی وہ شکل اختیار کی جو بعد میں مرثیے کے لیے مخصوص ہو گیا۔‘‘ ۷؎

امیر احمد علوی نے حیدر شاہ سے منسوب کیے جانے والے مسدس مرثیے کو بنیاد بنا کر حیدر شاہ کو ’’مسدس مرثیہ‘‘ لکھنے والوں کی بحث سے خارج کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’ممکن ہے کہ حیدر شاہ، کوئی مرثیہ گو شاعر عہد احمد شاہ میں ہو لیکن یہ بند ان کے کلام کا نمونہ ہر گز نہیں ۔ اس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہے .... اگر بفرض محال یہ بند احمد شاہ کے عہد میں کہا بھی گیا ہو تو ثابت نہیں ہوتا کہ حیدر شاہ نے کوئی طویل مرثیہ اس طرز میں

تصنیف کیا تھا یا صرف یہی ایک بند ان کا سرمایہ ناز ہے۔''۱۸

امیر احمد علوی سکندر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''معلوم نہیں ٹیپ لگانے کی جدت مرزاؔ ہی کو سوجھی یا یہ شرف میاں سکندر کو نصیب ہوا، جو پنجاب کے رہنے والے مرزا کے ہم عصر تھے اور تلاش معاش میں لکھنو آبسے تھے۔ انھوں نے ایک دور ناک مرثیہ مسدس کے طرز میں کہا جو آج تک مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے اور یقیناً اردو زبان میں پہلا مسدس ہے۔''۱۹

سید صفدر حسین اور ذاکر حسین فاروقی کی رائے کے مطابق میر مہدی متین کے مرثیوں میں ''مسدس مرثیہ'' کہنے کا اوّلین رواج نظر آتا ہے۔ ان کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ ذاکر حسین فاروقی نے دکن کے قدیم مرثیہ نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے ''مسدس مرثیے'' کے حوالے سے لکھا کہ:

''دکن کے شعرا نے فن اور اسلوب کے باب میں اچھے اچھے تجربے کیے چنانچہ متین برہانپوری نے مسدس کی شکل میں بھی مرثیہ کہا جسے جدید مرثیہ گوئی کا سنگ بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔''۲۰

سید صفدر حسین لکھتے ہیں کہ:

''مسدس کی صورت میں سب سے پہلا مرثیہ میر مہدی متین برہانپوری کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ جو سولہ (۱۶) بندوں پر مشتمل ایک ترقی یافتہ مرثیہ ہے ....متین، سراج اورنگ آبادی کے شاگرد تھے............ وہ مرثیہ بہت اچھا کہتے تھے اور ان کا کلام جنوبی ہند کے مرثیہ کی ترقی کی آخری حد متعین کرتا ہے۔''۲۱

درحقیقت پہلا مسدس نگار مرثیہ گو ہونے کی تفصیلی بحث سکندر اور سودا سے متعلق سامنے آئی۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کا کہنا ہے کہ:

''راقم کی رائے میں مسدس میں مرثیہ لکھنے کی اوّلیت کا شرف سکندر کو حاصل ہے۔''۲۲

شجاعت علی سندیلوی، امیر احمد علوی اور اکبر حیدری کاشمیری، سکندر کو پہلا مرثیہ نگار سمجھتے ہیں۔ شجاعت علی سندیلوی اور امیر احمد علوی دونوں نے سکندر کو پہلا مسدس نگار ثابت کرنے کے لیے کسی تحقیق یا بحث وغیرہ سے مدد نہیں لی مگر اکبر حیدری نے سودا کے کلام پر بحث کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ چونکہ سودا کے کلام میں الحاقی کلام شامل ہونے کے شواہد موجود ہیں اس وجہ سے اس کو پہلا مسدس مرثیہ نگار نہیں کہا جا سکتا۔ سودا کو اس بحث سے خارج کرنے کے بعد وہ سکندر کو ہی پہلا مسدس مرثیہ نگار قرار دیتے ہیں۔

مرزا رفیع سودا کے کلام میں مسدس کی ہیت میں لکھے گئے مرثیے شامل ہیں۔ جب تک کوئی حتمی تحقیق یہ ثابت نہ کردے کہ یہ مرثیے سودا کے لکھے ہوئے نہیں ہیں، اس وقت تک سودا کے بارے میں بھی پہلا مسدس مرثیہ نگار ہونے کے خیال کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ مگر صرف اس بنا پر کوئی حتمی نتیجہ بھی اخذ نہیں کیا جا

سکتا۔ مرزا رفیع سودا کے کلام کے بارے میں ڈاکٹر مسیح الزماں لکھتے ہیں کہ:

''سودا کے مراثی پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ہیت اور مواد کے بہت سے تجربے کیے۔'' ۲۳

سودا کے مسدس کی ہیت میں مرثیہ لکھنے کے بارے میں علامہ شبلی اور رشید موسوی کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا کہ:

''غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا۔'' ۲۴

رشید موسوی نے مسدس کی ہیت میں لکھنے والے پہلے مرثیہ نگار کے بارے میں کوئی حتمی بیان تو نہیں دیا مگر اتنا ضرور لکھا:

''شمالی ہند .... یہاں پہلے پہل مسدس مرثیہ کس نے لکھا۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے تھا کہ سودا نے سب سے پہلے مسدس کی شکل میں مرثیے لکھے۔'' ۲۵

سید عاشور کاظمی نے سودا اور محبّ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اردو شاعری میں مرثیے کو ''مسدس'' کی ہیت میں لانے کا سہرا سودا کے سر باندھا گیا ہے جب کہ خیال یہ بھی ہے کہ تاریخ مرثیہ گوئی میں مرثیے کی ہیت کو محبّ کے بعد زیادہ باقاعدگی سے سکندر نے اپنایا۔'' ۲۶

ان کے بیان میں وضاحت کی کمی محسوس ہوتی ہے کہ محبّ کو پہلا مسدس مرثیہ نگار کسی محقق نے کہا؟ بہر حال گذشتہ تمام آرا کو دیکھا جائے تو سودا، سکندر اور متین برہان الدین کے نام اس ضمن میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ کسی بھی مرثیہ نگار کے بارے میں حتمی رائے قائم نہ کر پانے کی کئی وجوہات ہیں۔ علی جواد زیدی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مجھے یہ اختلاف اس لیے بے معنی سا نظر آتا ہے کہ سودا اور سکندر ہم عصر ہیں اور دو ہم عصروں میں اولیت کا فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ جب تک کوئی قطعی ثبوت موجود نہ ہو، کسی ایک کے سر پر دستار اولیت باندھنا مناسب نہیں ہے۔'' ۲۷

مرثیے پر ہونے والی تحقیق کے مطالعے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا سے مرثیہ کا موضوع تو موجود تھا مگر اس کو کسی بھی ہیت میں نظم کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس دور میں ہیت کی پابندی کی اہمیت نہ تھی۔ ان شعرا کے نزدیک واقعہ کربلا کو شعری صورت میں نظم کرنا ہی اصل کام تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب مرثیہ ان ابتدائی منزلوں کو طے کر کے آگے بڑھا تو مرثیہ نگاروں نے اس کی ادبی حیثیت کے بارے میں دلچسپی لینا شروع کی اور ہیت کے نئے نئے تجربے کر کے اس صنف کے لیے موزوں ہیت کے انتخاب کی تلاش شروع

کی۔ شعرا نے دیگر ہیتوں میں مرثیہ گوئی رفتہ رفتہ کم کر دی اور مسدس کی ہیت کو مرثیہ نگاری کے لیے منتخب کرنا شروع کر دیا۔ سکندر اور سودا دونوں کے ہاں اس ہیت کا استعمال شعوری سطح پر کارفرما نظر آتا ہے۔ جس کو بعد میں آنے والے مرثیہ نگاروں نے مستقل اپنا لیا اور دبیر اور انیس کے دور میں اس کو انتہائی عروج حاصل ہو گیا۔ اردو مرثیوں میں جس مسدس کی ہیت کو اپنایا گیا ہے وہ عام مروجہ مسدس کی ہیت سے تھوڑی مختلف ہے۔ ''مسدس'' کے اس اختلاف کی بحث کو اختر پرویز کے مقالے ''اردو مسدس کا ارتقا'' میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار اختر پرویز کی معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مسدس کا مادہ عربی لفظ ''سدس'' سے نکلا ہے۔ جس کے معانی ''چھٹا ہونا'' کے ہیں۔ اردو انسائیکلو پیڈیا میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ''مسدس شاعری کی ایک قسم ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرے ہوتے ہیں'' مسدس صنف مسمط کی ذیلی شکل ہے۔ مسمط کی باقی اقسام کی نسبت مخمس اور مسدس زیادہ مقبول ہوئیں۔ ابتدا میں مسدس کی بلحاظ قافیہ صورت یہ تھی کہ اس کے پہلے بند میں چھ کے چھ مصرعے ایک ہی قافیہ کے ہوتے تھے۔ دوسرے بند میں پہلے پانچ مصرعے تو مقفیٰ ہوتے لیکن چھٹے مصرے کا قافیہ پہلے بند کے قوافی کے مطابق ہوتا ہے۔ عبدالقادر سروری نے مسدس کی اس ابتدائی صورت کو ایک نقشے کے ذریعے یوں واضح کیا ہے۔

...........ا...........ا
...........ا...........ا
...........ا
...........ا

.... ب ....ب
.... ب ....ب
.... ب
...........ا

بعد کے شعرا نے اس کی صورت میں تھوڑی سے تبدیلی کر لی، اب وہ کافیوں کی ترتیب اس طرح رکھتے ہیں کہ ہر بند کے پہلے چار مصرعے ایک قافیہ کے ہوتے اور آخری دو مصرعے دوسرے قافیے کے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے مسدس کو نئی صورت مل گئی اور مسدس میں زور اور روانی پیدا ہو گئی۔ اس لیے یہ صنف اردو شاعری میں خاصی مقبول ہو گئی اکثر ناقدین نے اسی صورت کو سامنے رکھ کر مسدس کی تعریف لکھی۔ مثلاً رام بابو سکینہ نے لکھا:

> ''مسدس کے .... پہلے چار مصرعے یا دو بیت ہم قافیہ اور باقی دو مصرے علیحدہ علیحدہ قافیہ ہوتے ہیں''۲۸

مولوی نجم الغنی نے مسدس کی جو تعریف کی اس کے مطابق:

> ''ریختہ گویوں نے ایسے چھ مصرعوں کو جن میں چار ایک وزن اور قافیہ کے ہوں اور دو مصرعے اسی

وزن اور دوسرے قافیہ کے بطور گرہ کے ایک مطلع کی طرح واقع ہوں، مسدس قرار دیا ہے۔"۲۹

ان دونوں مصنفین کی آرا سے مکمل اتفاق نہیں ہوسکتا کیونکہ قدیم فارسی شعرا کے ہاں جو شاعری ہمیں مسدس کی صورت میں نظر آتی ہے اس تعریف کے ہوتے ہوئے اسے کچھ اور ہی نام دینا پڑے گا اختر پرویز لکھتے ہیں:

"مسدس نظم کی ایک ایسی قسم جو مختلف بندوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے ہر بند میں چھ مصرے ہوتے ہیں۔ قوافی کی ترتیب خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ مسدس کے ایک بند میں ایک قسم کا خیال پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے بند میں دوسرا۔"۳۰

مسدس کی جو صورت آج مروج ہے اسے دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک قسم وہ جس میں ہر بند کے آخری دو مصرے ایک ہی ہوتے ہیں۔ اس قسم کو ترجیح بند مسدس یا ترجیح بند در مسدس کہتے ہیں، یعنی ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا ایک ہی شعر بار بار دہرایا جاتا ہے۔ اس کی مثال نظیر اکبر آبادی کی مسدس کا یہ نمونہ ہے۔ جس کی ٹیپ میں یہ شعر بار بار دہرایا جاتا ہے۔

کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یا دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

اختر پرویز لکھتے ہیں کہ:

"مسدس کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ٹیپ کا شعر ہر بند میں مختلف ہوتا ہے اس قسم کو ترکیب بند مسدس یا ترکیب بند در مسدس کا نام دیا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں ترکیب بند مسدس کی مثالیں عام ملتی ہیں۔ انیس و دبیر کے مرثیے .... مسدس کی اس قسم کی صورت میں لکھے گئے۔"۳۱

اس مسدس کی ہیت میں قصیدے، ہجویات اور نعتوں وغیرہ کے علاوہ مرثیے بھی لکھے گئے۔ اختر پرویز لکھتے ہیں کہ:

"بلکہ مرثیے تو اتنے لکھے گئے کہ مرثیوں کے لیے یہی ہیت مخصوص ہوگئی۔"۳۲

اجزائے مرثیہ:

اجزائے مرثیہ کا تعین تشکیلی دور کی ایک اور اہم اور نمایاں صفت ہے۔ مرثیہ کو ابتدا میں مذہبی حیثیت حاصل تھی مگر رفتہ رفتہ شعرانے اس میں شاعرانہ تخیل اور تخلیق کاری کے ہنر شامل کرنا شروع کر دیئے۔ " بگڑا شاعر مرثیہ گو" کے قدیم خیال کو رد کرتے ہوئے مرثیہ گو شعرا اس مقام سے آگے بڑھ گئے۔ ان کی جملہ مساعی اس وقت اپنی پہلی منزل پر پہنچ گئیں۔ جب ہیت کے ساتھ ساتھ اجزا مرثیہ بھی ترتیب پا گئے۔ میر ضمیر کے عہد میں مرثیے کے اجزا طے پا گئے۔ ان جزائے مرثیہ کا ذکر کئی محققین نے کیا مثلاً ڈاکٹر مسیح الزماں، عبدالروف عروج، شجاعت علی سندیلوی، ذاکر حسین فاروقی، فرمان فتح پوری، اسد اریب، شارب ردولوی وغیرہ

ان کے علاوہ بہت سے اور ناقدین نے بھی مرثیے کی تاریخ لکھتے ہوئے میر ضمیر کے عہد میں طے پا جانے والے اجزا کا تفصیلی یا مختصر ذکر اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے ۔لیکن چونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے صرف مسعود حسن رضوی ادیب کے اقتباس کو پیش کیا جاتا ہے ۔ انھوں نے اجزائے مرثیہ کی وضاحت کرتے ہوئے ان اجزا میں شامل موضوعات کو بھی بیان کر دیا:

''(ا) **چہرہ**۔صبح کا منظر، رات کا سماں ،دنیا کی بے ثباتی ، باپ بیٹے کے تعلقات ،سفر کی دشواریاں ، اپنی شاعری کی تعریف ،حمد،نعت ،منقبت،مناجات وغیرہ تمہید کے طور پر۔

(ب) **سراپا**۔مرثیے کے ہیرو کے قد وقامت ، خال وخط وغیرہ کا بیان

(ج) **رخصت** ۔ ہیرو کا امام حسین سے جنگ کی اجازت لینااور میدان جنگ میں جانے کے لیےعزیزوں سے رخصت ہونا۔

(د) **آمد**۔ ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان وشوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا ،آمد کے سلسلے میں ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی لکھی جاتی ہے۔

(ہ) **رجز**۔ ہیرو کی زبان سے اپنے نسب کی تعریف ، اپنے اسلاف کے کارناموں کا بیان اور فن جنگ میں اپنی مہارت کا اظہار

(و) **جنگ**۔ ہیرو کا کسی نامی پہلوان سے یا دشمن کی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑنا جنگ کے ضمن میں ہیرو کے گھوڑے اور تلوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

(ز) **شہادت** ۔ ہیرو کا دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہونا۔

(ح) **بین**۔ ہیرو کی لاش پر اس کے عزیزوں ، بالخصوص عزیز عورتوں کا رونا۔۳۳''

واقعات کربلا کے لیے لفظ ''مرثیہ'' کا مخصوص ہو جانا:

اجزائے ترکیبی اور ہیت مقرر ہوجانے کے بعد مرثیہ اپنے دور اور عہد میں مزید اہمیت کا حامل ہو گیا۔شعرا مرثیہ اس صنف میں طرح طرح کے کمالات دکھانے لگے ۔ اس دور میں مرثیہ نگاروں کا ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے رویہ اس صنف میں مزید ترقی کا باعث بنا اور مرثیے طرح طرح کی لفظی ، معنوی اور موضوعی خوبیوں اور وسعتوں کا مرقع بن گئے ۔صنف مرثیہ کی بڑی اہم اور نمایاں کامیابی اس وقت سامنے آئی جب مذہبی مرثیے کو اتنی مقبولیت حاصل ہوگی کہ لفظ مرثیہ سنتے ہیں ذہن واقعات کربلا کی طرف گھوم جاتا ۔مرثیہ اور واقعات کربلا ایک دوسرے کا تعارف بن گئے ۔ میر ضمیر کے دور تک شخصی مرثیوں کی روایت بھی موجود رہی مگر مذہبی مرثیوں کے مقابلے میں شخصی مرثیے کی حیثیت اور تعداد کمتر تھی۔ اسی وجہ سے مرثیہ کا لفظ صرف واقعات کربلا کے بیان کرنے والے مرثیوں کے لیے مخصوص ہوگیا۔لفظ ''مرثیہ'' واقعات کربلا سے کس

دور میں مخصوص ہوا اس کے متعلق ذاکر حسین فاروقی کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ ذاکر حسین فاروقی لکھتے ہیں کہ:

''اردو شعر و سخن کی موجودہ اصطلاح میں یہ لفظ عام طور پر ان نظموں کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جو حضرت سید الشہداؑ کی شہادت پر اظہار الم کے لیے کہی گئی ہوں اردو کے ابتدائی دور میں ان نظموں کی کوئی مقررہ ہیت نہیں تھی بلکہ وہ نظم جو واقعہ کربلا سے متعلق کہی جاتی تھی مرثیہ کہلاتی تھی، لیکن ضمیر کے وقت سے مرثیہ کا لفظ محض ان نظموں کے لیے استعمال ہونے لگا جو مسدس کی شکل میں کہی گئی ہوں، جن میں مطلع کے بعد چہرہ، رخصت، سراپا، آمد، رزم اور شہادت نظم کر کے بین پر خاتمہ کیا گیا ہو اور جو بالعموم ہزج، رمل اور مضارع میں کہی جاتی ہوں امام حسین علیہ السلام کے متعلق جو نظمیں اس التزام کے بغیر کہی جاتی ہیں۔ وہ مرثیہ نہیں کہلائیں بلکہ ان کو دوسرے اصناف سخن میں تقسیم کیا جاتا ہے۔''[۳۴]

گذشتہ مباحث سے یہ معلوم ہوا کہ واقعات کربلا کے ذکر پر مشتمل شاعری جب دکن اور دہلی سے نکل کر لکھنو پہنچی تو وہ بہت سے ابتدائی مراحل طے کر چکی تھی۔ لکھنو کے مشاق شعرا کے ہاتھ لگنے کے بعد مرثیے کے اصول وضوابط طے پا گئے۔ کربلا کے واقعات اور شہدا کے ذکر کے لیے مسدس کی ہیت مخصوص ہوگئی، اجزائے ترکیبی نے مرثیے کے خدوخال کو بھرپور صورت عطا کر دی۔ میر ضمیر کے دور میں مرثیہ نگاری کے فن کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی تھی کہ لفظ مرثیہ صرف واقعات کربلا کے بیان تک محدود ہوگیا۔ اس دور سے پہلے کچھ اضافہ اور ترمیم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ پہلے محبوب یا ہیرو کی موت سے وابستہ غموں کے اظہار کرنے کو مرثیہ کہا جاتا تھا۔ لیکن اب مرثیہ باقاعدہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ۱۔ مرثیہ، ۲۔ شخصی مرثیہ

مرثیہ اور شخصی مرثیہ دونوں کی بنیاد ایک طرح کے غم کے اظہار پر مبنی ہونے کے باوجود ان کی شرائط اور تعریف میں فرق آ گیا۔ شخصی مرثیہ کسی بھی ہیرو کی موت پر کسی بھی ہیت میں لکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ''مرثیہ'' کی تعریف یہ ہوئی کہ مسدس کی ہیت میں لکھی جانے والی وہ نظم جس کا موضوع واقعہ کربلا کے مصائب اور شہادت پر مبنی ہو ''مرثیہ'' کہلائے گا۔ اس بارے میں ناقدین کی آرا ملاحظہ کیجیے۔ مولانا الطاف حسین حالی صنف مرثیہ کے کربلا سے مخصوص ہو جانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں مرثیہ لکھنے کا رواج ابتدائے اسلام سے ہی ہے گو کہ شخصی مرثیہ بھی لکھا گیا مگر:

''فی زمانہ مسلمانوں میں مرثیے کا اطلاق صرف جناب سید الشہدا علیہ الصلوۃ والسلام کے مرثیوں پر ہونے لگا ہے۔''[۳۵]

ڈاکٹر رشید موسوی بھی لفظ ''مرثیہ'' کی یہی وضاحت کرتے ہیں کہ:

''اردو میں مرثیے کی اصطلاح فارسی کے توسط سے پہنچی ہے۔ لیکن اردو میں یہ صنف اپنے اصلاحی مفہوم میں ایک موضوع کے لئے متعین ہوگئی ہے۔ یہ موضوع امام حسینؑ اور ان کے

اہل خاندان اور اصحاب کی شہادت اور اس کی تفصیلات ہیں ۔''۳۶؎

مرثیہ کی تعریف کرتے ہوئے ساحر لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

''اصطلاحاً اردو میں مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جو واقعہ کربلا کے عظیم المرتبت شہدا کی شہادت اور خانوادۂ رسالت کی مقدس ترین مخدرات عصمت وطہارت پر ڈھائے گئے مظالم پر لکھی جاتی ہے۔''۳۷؎

شجاعت علی سندیلوی لکھتے ہیں کہ:

'' اردو شاعری میں مرثیہ کا اطلاق زیادہ تر واقعات کربلا پر ہوتا ہے ۔ اس لیے مرثیہ کے اصطلاحی معنی یہی رہ گئے ہیں کہ واقعات کربلا یعنی حضرت امام حسینؑ اور دیگر شہدائے کربلا کی شہادت اور اس سلسلہ میں ان پر جو مصائب پڑے، جس طریقہ سے انھوں نے مقابلہ کیا، ان سب کا ذکر کیا جائے، گویا مرثیہ اور واقعات کربلا، لازم وملزوم ہوگئے ہیں ۔'' ۳۸؎

فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''ہماری شاعری کی اصطلاح میں مرثیہ صرف ایسی نظم کو کہتے ہیں جو شہدائے کربلا اور ان کے واقعات وتاثرات کے ذکرواذکار پر مشتمل ہوتی ہے۔'' ۳۹؎

حواشی:

۱۔ مولانا شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر ،(مرتبہ)سید عابد علی عابد،((باراوّل)(لاہور:مجلس ترقی ادب، مارچ ۱۹۶۴ء)ص: ۲۷

۲۔ حامد حسن قادری، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکار انیس،((باردوم)(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر،۲۰۰۲ء)ص: ۱۸

۳۔ ڈاکٹر رشید موسوی، دکن میں مرثیہ اور عزاداری ،(دہلی: ترقی اردو بیورو، مارچ ۱۹۸۹ء) ص: ۵۵

۴۔ سیدہ جعفر،'' دکنی مرثیہ اور اس کا پس منظر''،(مرتبہ)شارب رلودلوی، اردو مرثیہ،ص: ۲۰

۵۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء (ابتدا سے انیس تک)(بارِدوم)(لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۹۲ء)،ص: ۴۹

۶۔ ڈاکٹر جعفر رضا، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِاول)(الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء)،ص: ۲۴

۷۔ مولانا عبدالسلام ندوی، شعر الہند، جلد دوم، (اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۳۹ء)، ص: ۱۱۰

۸۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء، ص: ۴۹

۹۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء، ص: ۴۹، ۵۰

۱۰۔ ڈاکٹر رشید موسوی، دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ص: ۱۷

۱۱۔ عظیم امروہوی، مرثیہ نگاران امروہہ، (کراچی: مہران پروسس، ۱۹۸۴ء)، ص: ۲۵

۱۲۔ سیدہ جعفر، ''دکنی مرثیہ اور اس کا پس منظر''، (مرتبہ) شارب رلودلوی، اردو مرثیہ (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء) ص: ۲۲

۱۳۔ سید عاشور کاظمی، اردو مرثیے کا سفر اور بیسوی صدی کے اردو مرثیہ نگار، ((باراوّل) (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء) ص: ۴۹

۱۴۔ سید عاشور کاظمی، اردو مرثیے کا سفر اور بیسوی صدی کے اردو مرثیہ نگار، ص: ۴۹

۱۵۔ سید عاشور کاظمی، اردو مرثیے کا سفر اور بیسوی صدی کے اردو مرثیہ نگار، ص: ۵۶

۱۶۔ ڈاکٹر فضل امام، انیس شخصیت اور فن، ((باراول) (دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۴ء) ص: ۲۴

۱۷۔ شجاعت علی سندیلوی، تعارفِ مرثیہ ((باراول) (الہ آباد: ادارہ انیس اردو، ۱۹۵۹ء،) ص: ۱۸

۱۸۔ مولوی امیر احمد علوی، یادگار انیس (بارِدوم) (لکھنؤ: درانوار المطابع، ۱۳۵۳ھ)، ص: ۱۶

۱۹۔ مولوی امیر احمد علوی، یادگار انیس، ص: ۱۵

۲۰۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، دبستان دبیر ((بارِاوّل) (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، مئی ۱۹۶۶ء) ص: ۱۱۴۔۱۱۵

۲۱۔ صفدر حسین، ڈاکٹر، سید، رزم نگاران کربلا، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء) ص: ۱۷

۲۲۔ اکبر حیدری کاشمیری، ڈاکٹر، اودھ میں اردو مرثیہ کا ارتقاء ((بارِاول) (لکھنؤ: نظامی پریس، دسمبر ۱۹۸۱ء): ۲۳۸

۲۳۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء، ص: ۱۰۹

۲۴۔ شبلی نعمانی، مولانا، موازنہ انیس و دبیر، (مرتبہ) سید عابد علی عابد، ((باراول) (لاہور: مجلس ترقی ادب، مارچ ۱۹۶۴ء) ص: ۲۸

۲۵۔ ڈاکٹر رشید موسوی، دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ص: ۸۲

۲۶۔ سید عاشور کاظمی، اردو مرثیے کا سفر اور بیسوی صدی کے اردو مرثیہ نگار، ص: ۶۰

۲۷۔ علی جواد زیدی، دہلوی مرثیہ گو، (کراچی: نفیس اکیڈمی، نومبر ۱۹۸۸ء) ص: ۲۳۲

۲۸۔ اختر پرویز، مسدس کا ارتقا، (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم اے اردو، ۱۹۷۳ء، پنجاب

یونیورسٹی لائبریری) ص:۳

۲۹۔ اختر پرویز، مسدس کا ارتقا، ص:۳

۳۰۔ اختر پرویز، مسدس کا ارتقا، ص:۴

۳۱۔ اختر پرویز، مسدس کا ارتقا، ص:۵

۳۲۔ اختر پرویز، مسدس کا ارتقا، ص:۱۰

۳۳۔ مسعود حسن رضوی ادیب، سید، روح انیس، ((باردوم) (لاہور: الادب، ۱۹۷۹ء) ص: ۲۰، ۲۱

۳۴۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، دبستان دبیر، ص:۲۳

۳۵۔ الطاف حسین حالی، مولانا، مقدمہ شعر و شاعری (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۸ء) ص: ۵

۳۶۔ ڈاکٹر رشید موسوی، دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ص:۱۶

۳۷۔ ساحر لکھنوی، مرثیہ پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ، (کراچی: آثار وافکار اکادمی، ۲۰۰۹ء) ص: ۱۹

۳۸۔ شجاعت علی سندیلوی، تعارف مرثیہ، ص:۹

۳۹۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، میرانیس حیات اور شاعری (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، نومبر ۱۹۷۶ء) ص:۴۴

مآخذ:

۱۔ اکبر حیدری کاشمیری، ڈاکٹر، اودھ میں اردو مرثیہ کا ارتقاء (بارِاول) لکھنؤ: نظامی پریس، دسمبر ۱۹۸۱ء۔

۲۔ الطاف حسین حالی، مولانا، مقدمہ شعر و شاعری، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۸ء۔

۳۔ امروہوی، عظیم، مرثیہ نگاران امروہہ، کراچی: مہران پروسس، ۱۹۸۴ء۔

۴۔ امیر احمد علوی، مولوی، یادگار انیس (بارِدوم) لکھنؤ: درانوار المطابع، ۱۳۵۳ھ۔

۵۔ پرویز، اختر، مسدس کا ارتقا، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم اے ردو، ۱۹۷۳ء، پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

۶۔ پوری، فرمان فتح، میرانیس حیات اور شاعری، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، نومبر ۱۹۷۶ء۔

۷۔ جعفر رضا، ڈاکٹر، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِاول) الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء۔

۸۔ ذاکر حسین فاروقی، ڈاکٹر، دبستان دبیر (بارِاول) لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، مئی ۱۹۶۶ء۔

۹۔ رشید موسوی، ڈاکٹر، دکن میں مرثیہ اور عزاداری، دہلی: ترقی اردو بیورو، مارچ ۱۹۸۹ء۔

۱۰۔ زیدی،علی جواد، دہلوی مرثیہ گو،کراچی:نفیس اکیڈمی،نومبر ۱۹۸۸ء۔
۱۱۔ سندیلوی،شجاعت علی، تعارف مرثیہ ،(باراول)الہ آباد: ادارہ انیس اردو، ۱۹۵۹ء۔
۱۲۔ شارب ردلوی،ڈاکٹر،اردو مرثیہ (سمینار میں پڑھے گئے مقالات)، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء۔
۱۳۔ صفدرحسین،ڈاکٹر،سید، رزم نگاران کربلا،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء۔
۱۴۔ عبدالسلام ندوی،مولانا، شعر الہند ، جلد دوم ،اعظم گڑھ:مطبع معارف، ۱۹۳۹ء۔
۱۵۔ فضل امام،ڈاکٹر،انیس شخصیت اور فن ،(باراوّل) دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، مارچ ۱۹۸۴ء۔
۱۶۔ قادری،حامدحسن، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکار انیس ،(باردوم) نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، ۲۰۰۲ء۔
۱۷۔ کاظمی،سید عاشور، اردو مرثیے کا سفر اور بیسوی صدی کے اردو مرثیہ نگار ، (باراوّل) دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء۔
۱۸۔ لکھنوی، ساحر، مرثیہ پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ ،کراچی: آثار وافکار اکادمی ، ۲۰۰۹ء۔
۱۹۔ مسعودحسن رضوی ادیبؔ،سید، روح انیس ،(باردوم) لاہور: الادب ، ۱۹۷۹ء۔
۲۰۔ مسیح الزماں،ڈاکٹر،اردو مرثیے کا ارتقاء(ابتدا سے انیس تک)(بارِدوم) لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۹۲ء۔
۲۱۔ نعمانی،مولانا شبلی ،موازنہ انیس و دبیر ،مرتب: سید عابد علی عابد،(باراوّل) لاہور: مجلس ترقی ادب ، مارچ ۱۹۶۴ء۔

☆☆☆